شاہ ولی اللہ کے اصولِ تفسیر

(دوسری اور آخری قسط)

۲۔ علم تذکیر بآلاء اللہ

۱۔کیونکہ قرآن مجید تمام انسانوں کی تہذیب و تزکیہ کے لیے نازل ہوا ہے' وہ عربی ہوں یا عجمی' شہری ہوں یا دیہاتی۔[ساتویں صدی میں ہوں یا اکیسویں میں] اس لیے حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہوا کہ تذکیر کے لیے آفاق و انفس کی نشانیوں سے جس قدر قرآن مجید کے مخاطب واقف تھے نہ اس سے زیادہ کوئی بات بیان کی جائے' نہ ان کے بارے میں غیر ضروری بحث و تحقیق میں پڑا جائے۔[چنانچہ آج انسان کو کائنات کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے' قرآن میں اس کی تلاش غیر ضروری ہے]۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسما کے بارے میں بھی قرآن مجید میں ایسے صاف' سیدھے سادے اور عام فہم انداز میں بات کی گئی ہے کہ ایک عام مخاطب صرف اس ذہانت اور سمجھ بوجھ کے ذریعے انھیں سمجھ لے جو اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے' اور صفات الٰہیہ کو سمجھنے کے لیے اس کو نہ فلسفہ و منطق کی ضرورت پڑے' نہ حکمت الٰہی سے گہری واقفیت کی۔

چنانچہ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کا صرف اجمالاً اثبات کیا ہے' مگر اس کے ثبوت میں دلائل نہیں دیے ہیں۔کیونکہ اللہ کا اقرار تمام بنی آدم میں عام ہے' اور کسی معتدل ملک میں ایسی قوم نہیں ملے گی جو اس کے وجود کی منکر ہو۔صفات کا معاملہ ذرا مشکل ہے۔ایک طرف انسان کے لیے ان کی پوری حقیقت سمجھنا ممکن نہیں [کہ صرف وہی خالق ہے' باقی سب مخلوق]۔دوسری طرف اگر اسے اللہ کی صفات سے بالکل آگاہی نہ ہو' تو وہ اللہ کی معرفت اور اس سے تعلق سے محروم رہے گا' جو اس کے تزکیہ نفس کے لیے ضروری ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ اس نے چند ایسی انسانی صفات منتخب کیں' جنھیں لوگ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں' اور جنھیں وہ قابل تعریف اور اعلیٰ صفات تصور کرتے ہیں۔ان انسانی صفات کو صفاتِ الٰہی کے ان دقیق معانی کی جگہ استعمال کیا' جن کی عظمت اور جلال تک انسانی عقل کی رسائی ممکن نہیں۔ساتھ ہی جہالت اور غلط فہمی کی روک تھام اور علاج کے لیے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کا حکم بھی لگا دیا۔

چنانچہ وہ رحم کرتا ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے، ناراض ہوتا ہے، مگر اس کی رحمت، سننا، دیکھنا اور ناراض ہونا کسی طرح انسانوں کی رحمت، سننے، لکھنے اور ناراضی کی طرح نہیں۔ کیونکہ صفات کے باب میں صحیح اور غلط کے درمیان امتیاز کا مسئلہ بڑا باریک اور نازک ہے، جس تک عام ذہن کا پہنچنا ممکن نہیں، اس لیے اس مسئلے میں گفتگو کرنے سے بھی روک دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آفاق و انفس کی صرف وہی نعمتیں بیان کیں جن سے عام لوگ واقف ہوتے ہیں، اور ہر زمانے میں سمجھ سکتے ہیں، ان نعمتوں کا ذکر نہیں کیا جو چند لوگوں تک محدود اور خاص ہوتی ہیں۔ چنانچہ آسمان و زمین کی پیدائش، پانی کے برسنے، درختوں کے اگنے، رات دن کے آنے جانے، ضروری صنعتوں کے الہام کرنے، ان پر انسان کو قدرت دینے کا بیان کیا۔ اسی طرح مصائب کے ہجوم اور ان کے دور ہو جانے کے وقت لوگوں کے رویے بدل جانے پر اکثر جگہ تنبیہہ فرمائی کہ یہ مرض بکثرت واقع ہوتا ہے۔

۳۔ علم بتذکیر ایام اللّٰہ

۱۔ تاریخی واقعات کے سلسلے میں بھی، قرآن مجید میں وہی واقعات بیان کیے گئے ہیں جن سے اس کے مخاطب آشنا تھے، مثلاً قوم نوح، عاد اور ثمود کے قصے جنھیں اہل عرب اپنے باپ دادا سے سنتے آئے تھے، یا حضرت ابراہیمؑ اور بنی اسرائیل کے واقعات، جن سے اہل عرب یہودیوں کے ساتھ صدیوں کے تعلق کی بدولت واقف تھے۔ قرآن نے نہ غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا، نہ ایران و ہندوستان کے واقعات کو، [ورنہ غیر ضروری تفتیش اور بحث کا دروازہ کھل جاتا]۔

۲۔ جس طرح قرآن مجید مین کوئی انوکھا یا غیر معروف واقعہ نہیں بیان کیا گیا، اسی طرح مشہور تاریخی واقعات میں سے بھی صرف ان حصوں کو بیان کیا گیا ہے جن کا بیان تذکیر کے لیے ضروری تھا، ان کی تمام تفصیلات کو بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ جب عام لوگ کوئی نیا قصہ سنتے، یا کسی قصے کی تمام تفصیلات، تو وہ قصے میں کھو جاتے اور قصہ بیان کرنے کا اصل مقصد کھو جاتا۔

۳۔ بعض قصے قرآن نے بار بار بیان کیے ہیں۔ سورتوں کے اسلوب کے مطابق، مختلف انداز میں، کبھی اجمالاً اور کبھی تفصیلاً۔ بعض قصص صرف دو ایک بار بیان کیے ہیں، ان کی تکرار ضروری نہ تھی۔

۴۔ تاریخ بیان کرنے کا مقصد کہیں بھی صرف قصہ گوئی یا تاریخی معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کی توجہ شرک اور گناہوں کی برائی اور خدا کے عذاب کی طرف مبذول ہو، اور وہ مطیع بندوں پر خدا کے فضل و رحمت اور اس کی نصرت کے ظہور پر مطمئن ہو جائیں۔

۵۔ بعض آیات میں اللہ نے اہل ایمان کی جان و مال کی قربانیوں کی تعریف کی ہے، اور منافقین

کی خودبینی اور بخل کی مذمت۔ بعض میں اس نے مسلمانوں پر اپنے احسانات کا ذکر کیا ہے، جب اس نے انھیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ بعض میں مسلمانوں کو زجر و تنبیہ کی گئی ہے۔ کہیں غزوات نبوی ؐ یا حضرت زینب ؓ کے نکاح اور افک جیسے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سب واقعات بھی تذکیر بایام اللہ میں شامل ہیں، اور قرآن فہمی کے لیے ان واقعات سے واقف ہونا ضروری ہے۔

۴۔ علم تذکیر بموت ومابعد

۱۔ موت کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے، اس کے واقعات کو مختلف سورتوں میں، ان سورتوں کے اسلوب کے مطابق، کہیں منتشر اور کہیں مسلسل، کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ اس سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ موت کے وقت انسان کی بے چارگی کا کیا عالم ہو گا، صور کس طرح پھونکا جائے گا، حشر و نشر کا منظر کیا ہو گا، سوال جواب کس طرح ہو گا، میزان کس طرح قائم کی جائے گی، نامہ اعمال کس طرح دائیں یا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، مومنین کس طرح جنت میں جائیں گے، اور کافر کس طرح جہنم میں بھیجے جائیں گے، جہنم میں عوام الناس اور ان کے لیڈروں کے درمیان کس طرح جھگڑا ہو گا۔

۵۔ علم الاحکام

۱۔ علم احکام کے باب میں پہلا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیمی پر مبعوث ہوئے تھے، اس لیے ضروری ہوا کہ آپ ؐ کی شریعت میں شریعت ابراہیمی کے احکام کو باقی رکھا جائے، اس کے بنیادی احکام میں کوئی تبدیلی نہ ہو، الا یہ کہ کسی عام حکم کو خاص کر دیا جائے، یا اوقات اور حدود میں کچھ اضافہ کر دیا جائے۔

۲۔ دوسرا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ آنحضرت ؐ کے ذریعے اہل عرب کی اصلاح کی جائے اور اہل عرب کے ذریعے ساری دنیا کی اس لیے لازم ہوا کہ آپ ؐ کی شریعت کی بنیاد اہل عرب کی رسوم و عادات پر کی جائے۔

۳۔ اگر کوئی شخص شریعت ابراہیمی کے احکام اور اہل عرب کی رسوم و عادات کو دیکھے، پھر آنحضرت ؐ کی شریعت پر نظر ڈالے، جس نے ان احکام و رسوم کی اصلاح و تکمیل کی، تو وہ ہر حکم کے لیے کوئی بنیاد پالے گا اور ہر امر و نہی کے لیے کسی حکمت تک پہنچ جائے گا۔

یہ بات تفصیل طلب ہے۔ مختصراً یوں سمجھا جائے کہ احکام پر عمل میں لاپرواہی اور صحیح علم و معرفت کے فقدان کی وجہ سے شریعت ابراہیمی کے احکام میں ایک فتور عظیم برپا ہو گیا تھا، بہت سی تحریفات پیدا ہو گئی تھیں، معاشرت میں ضرر رساں رسوم راہ پا گئی تھیں، اور سیاست بھی بگڑ گئی تھی۔ قرآن مجید نے

تمام بدنظمی اور بے اعتدالی کو ختم کر کے، احکام میں ہمواری اور اعتدال پیدا کیا، اصول احکام کو نئے سرے سے منضبط کیا، اور ان کی پوری حد بندی کی۔

۴۔ بعض احکام، قرآن مجید میں اجمالی طور پر بیان کیے گئے ہیں، بعد میں آنحضرتؐ نے ان کی تفصیلات مقرر کیں: مثلاً قرآن میں اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے، اس کی روشنی میں، مساجد کی تعمیر، جماعت اور اوقات صلوٰۃ وغیرہ کا تعین فرمایا۔ یہی معاملہ زکوٰۃ کا ہے۔

۵۔ ان احکام کا فائدہ اور اطلاق تمام امت کے لیے عام ہے، ایک دوسری قسم ان احکام کی ہے کہ لوگوں نے آنحضرتؐ سے سوالات کیے، اور آپؐ نے ان کے جوابات دیے۔

۲۔ مشکلات القرآن

کیونکہ قرآن مجید ٹھیک اہل عرب کے محاورے اور اسلوب کے مطابق نازل ہوا، اس لیے اس کے مخاطب عرب، جو اپنی زبان کے سمجھنے کا سلیقہ رکھتے تھے، اس کے مطالب آسانی کے ساتھ سمجھ لیتے تھے۔ کیوں کہ شارع کا منشا یہ تھا کہ آیات متشابہات کی تاویل کی کھوج کرید میں نہ پڑا جائے، نہ صفات الٰہی کی حقیقت کی صورت آفرینی اور قصص قرآنی کی تفصیلات کے درپے ہوا جائے، اس لیے صحابہ کرام آنحضرتؐ سے بہت کم سوال کرتے تھے اور اس باب میں روایات بہت تھوڑی ہیں۔ لیکن جب دور اول کی زبان متروک ہوگئی اور علوم تفسیر میں غیر عرب بھی حصہ لینے لگے، تو بعض مواقع پر شارع کی مراد سمجھنے میں مشکل ہوئی۔ چنانچہ لغت اور نحو میں تحقیق کی ضرورت پڑ گئی، اور تفسیر کی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ مشکل مقامات اور ان کی مثالیں بیان کر دوں، تاکہ غور و خوض کے وقت طول کلام کی ضرورت نہ پڑے۔

قرآن مجید کی کسی آیت یا مقام کا مفہوم سمجھنے میں دشواری متعدد وجوہ سے پیش آسکتی ہے: (۱) کہیں کوئی غریب اور نادر لفظ استعمال ہوتا ہے، اور اس کے معنی واضح نہ ہونے کی وجہ سے مطلب کہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ (۲) کہیں ناسخ اور منسوخ کو نہ جاننے کی وجہ سے، (۳) کہیں اسباب نزول پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے (۴) کہیں کوئی لفظ حذف ہونے کی وجہ سے مثلاً مضاف یا موصوف، فعل یا مفعول کے حذف کر دینے سے، (۵) کہیں لفظ یا اسلوب میں تبدیلی کی وجہ سے، مثلاً ایک حرف کو دوسرے حرف سے، یا اسم کو اسم سے، یا فعل کو فعل سے، یا جمع کو مفرد سے، یا غایت کے اسلوب کو خطاب سے بدلا گیا ہے، (۶) کبھی مقدم کو موخر یا موخر کو مقدم کرنے کی وجہ سے، (۷) کہیں ضمیر کے غیر معین ہونے اور اپنی جگہ سے ہٹنے کی وجہ سے، (۸) کبھی ایک لفظ کے مختلف معنوں میں استعمال کی وجہ سے، (۹) کبھی تکرار اور تفصیل، کبھی اختصار اور ایجاز، کبھی کنایہ، تعریض یا متشابہ وغیرہ کی وجہ سے۔ جو دوست تدبر قرآن میں تدبر کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام

باتوں کی حقیقت سمجھ لیں، اور ان کی مثالوں سے آگاہ ہوں۔

غریب قرآن

غریب مقامات کے معانی معلوم کرنے کے لیے صحابہ، تابعین اور سلف کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ان مقامات کی بہترین شرح وہ ہے جسے ترجمان القرآن حضرت عبداللہؓ بن عباس سے ابن طلحہ نے نقل کیا ہے، اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں غالباً اسی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ اس کے بعد وہ شرحیں ہیں جنھیں ضحاک نے اور نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ سیوطی نے اپنی مشہور کتاب الاتقان میں ان تینوں شرحوں کا ذکر کیا ہے۔

اس مقام پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صحابہ و تابعین کبھی تفسیر لفظ کے قریب ترین معنی سے کرتے ہیں، جبکہ متاخرین نے ان کی تفسیروں کو لغت اور الفاظ کے مختلف استعمالات کی تحقیق سے بہت وسعت دے دی ہے (تلخیص و تدوین: خ - م)۔